میاں غلام مرتضیٰ

شہزادہ عبداللہ کا مجوزہ منصوبہ امن اور فلسطین

سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے گزشتہ دنوں نیویارک ٹائمز کو انٹرویو دیتے ہوئے فلسطین کے مسئلہ کے حل پر تجویز پیش کی کہ اگر اسرائیل 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ سے قبل کی سرحدوں پر واپس چلا جائے تو اسلامی ممالک اسرائیل تسلیم کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ شہزادہ عبداللہ کی تجویز پر اسرائیل کے صدر موشے کنساف سمیت یورپی یونین اور امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل نے بھی پسندیدگی کا اظہار کی ہے۔ سعودی ولی عہد شہزادہ عبداللہ اپنی یہ تجویز سب سے پہلے عرب سربراہ کانفرنس میں پیش کریں گے جو عنقریب منعقد ہونے والی ہے۔ 22 عرب ممالک کے سربراہوں کی منظوری کے بعد اسرائیل سے بات چیت کا آغاز ہو سکتا ہے۔ اسرائیل کے وزیراعظم ایریل شیرون نے اس تجویز پر معنی خیز خاموشی اختیار کر رکھی ہے تاہم وزیر خارجہ نے تجویز پر بات چیت پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ عالمی برادری میں اس تجویز کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ عالمی میڈیا نے بھی سعودی عرب کی تجویز کو امید افزا قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ باون سالہ فلسطینی مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں امکانات روشن ہوئے ہیں۔ تجویز کی تفصیلات ابھی تک پردہ اخفا میں تاہم یہ بات واضح ہے کہ تجویز کے مطابق اسرائیل کو معاہدہ کے مطابق وہ تمام علاقے واپس کرنا ہونگے۔ جس پر اس نے 1967 اور 1973 عرب اسرائیل جنگ کے نتیجہ میں قبضہ کر لیا تھا۔ ان علاقوں میں عرب اردن، مشرقی بیت المقدس، گولان کی پہاڑیوں، صحرائے سینا وغیرہ شامل ہیں۔ صحرائے سینا کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے تحت اسرائیل مصر کے حوالے کر چکا ہے۔

اسرائیلی وزیر خارجہ پیرز شمعون کی خواہش ہے کہ اس سلسلہ میں سعودی عرب سے براہ راست مذاکرات کا اہتمام ہو اور اس میں امریکہ کی شمولیت کی ضرورت یاد رہے کہ اسرائیل کو تسلیم کرنے یا اس سے سفارتی تعلقات کے قیام کے سلسلہ میں سعودی عرب سب سے زیادہ مخالف تھا بلکہ یہ ان عرب ممالک کا سرخیل ہے جو اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حق میں نہیں، پہلے تمام عرب ممالک اسرائیل کے تعلقات کے شدید مخالف تھے لیکن سادات نے امریکہ کے دباؤ کے پیش نظر کیمپ ڈیوڈ معاہدہ تسلیم کر لیا، جس کے نتیجہ میں صحرائے سینا کا علاقہ مصر کو واپس مل گیا۔ اس کے بعد یاسر عرفات نے اوسلو

معاہدہ کے تحت اسرائیل کو تسلیم کرلیا۔ معاہدہ اوسلو کے مطابق اسرائیل کے خودمختار فلسطینی راست کو بتدریج تسلیم کرنے کا وعدہ کیا اور امریکی صدر کلنٹن اس معاہدے کی تکمیل کے ضامن بنے، اسرائیل نے طوہاً وکرہاً غزہ کی پٹی اور کچھ علاقہ فلسطینی اتھارٹی کو دے دیا اور چند پرنس اور عرب اردن کا بھی کچھ رقبہ واپس کردیا لیکن یہ اس رقبے کا صرف ۱۳ فیصد تھا جس پر اس نے مختلف ادوار میں قبضہ کیا تھا۔ سابق امریکی صدر کلنٹن کی صدارت کے آخری مہینوں میں اسرائیل مشرقی بیت المقدس کو واپس کرنے سے مکر گیا۔ کلنٹن نے بھی اس کی حمایت کردی کیونکہ اسرائیل بیت المقدس کو اپنا دارالحکومت بنانے کا یک طرفہ اعلان کرچکا تھا۔ یاسر عرفات نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی قرار دیا تو کلنٹن بپھر گیا، اس نے اسرائیل کی مذمت کرنے کی بجائے یاسر عرفات پر ہٹ دھرمی کا الزام لگایا، اور کہا کہ یاسر عرفات کو اس کے نتائج بھگتنا ہوں گے۔ چنانچہ اس دن سے اسرائیل نے فلسطین پر مختلف حیلوں بہانوں سے حملے شروع کردیئے، حتیٰ کہ موجودہ اسرائیلی وزیراعظم نے جو گزشتہ حکومت میں بھی شامل تھا، مشرقی بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کا دورہ کیا جس سے فلسطینی مشتعل ہوگئے۔ یہ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی تھی، اس نے فلسطین کی سرحدیں بند کردیں جس سے لاکھوں فلسطینی جو اسرائیل علاقوں میں مزدوری کیلئے آتے تھے، محصور ہوکر رہ گئے۔ اس کے بعد اسرائیل نے اپنی بری اور فضائی افواج کے ذریعے فلسطین پر باقاعدہ حملے شروع کردیئے اور اعلان جنگ کردیا۔ بش صاحب امریکی صدر بنے تو انہوں نے بھی اسرائیل کا ساتھ دیا اور یاسر عرفات کو دہشت گردی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ فلسطینی غلیل کے ساتھ روڑے ماریں یا پھر ہاتھوں سے پتھر اور اینٹ کے روڑے پھینکیں تو دہشت گرد کہلائیں اور اسرائیل کے تربیت یافتہ فوجی بمباری کریں، میزائیل چلائیں، بلڈوزروں سے آبادیاں ملیامیٹ کریں، بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کا قتل عام کریں تو اسے امریکی ''ذاتی تحفظ'' قرار دیتا ہے۔ امریکہ کے اس دوغلے اور دوہرے معیار نے اسرائیل کو بے لگام کردیا ہے اور وہ روزانہ منظم طریقے سے کسی نہ کسی علاقے یا بستی پر حملہ کرکے اسے تباہ و برباد کردیتا ہے اور مسلمانوں کو قتل عام کے ذریعے ختم کررہا ہے۔۔

فلسطین اتھارٹی کے سربراہ یاسر عرفات اور ان کے ساتھی وزراء تک محفوظ نہیں یاسر عرفات کا ہیڈ کوارٹر تباہ کردیا گیا ہے اور وہ رملہ میں محصور ہیں، انہیں کسی دوسری جگہ جانے کی اجازت نہیں۔ امریکہ کی ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی ضمانت سے مکر گیا ہے۔

تازہ ترین صورت حال یہ ہے کہ لیبیا، شام اور لبنان نے سعودی عرب کے مجوزہ امن منصوبے کی مخالفت کر دی ہے۔ لیبیا نے تو عرب لیگ سے علیحدگی کا اعلان کر دیا ہے۔ لیبیا کے صدر معمر قذافی نے اس سلسلہ میں تین شرائط پیش کی ہیں، جن کے تسلیم ہونے کے بعد وہ اس امن منصوبہ کی حمایت کر سکتا ہے۔ لبنان اور شام نے بھی اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عملدرآمد کا مطالبہ کیا ہے کہ تمام فلسطینی مہاجرین کو اپنے گھروں میں واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ بہرحال متذکرہ بالا مطالبہ بھی معقول اور ضروری ہے کیونکہ شام، مصر، اردن اور لبنان میں لاکھوں کی تعداد میں فلسطینی مہاجرین پچاس برس سے رُل رہے ہیں، ان کی واپسی لازم ہے۔ تاکہ وہ اپنے چھوڑے ہوئے گھروں میں آباد ہو سکیں۔ اسرائیل ان فلسطینی مہاجرین کی واپسی سے انکار کرتا ہے کیونکہ مہاجرین کی چھوڑی ہوئی زمینوں پر یہودی قابض ہیں۔ انہوں نے سرکاری سرپرستی میں وہاں بستیاں آباد کر رکھی ہیں۔ مہاجرین کی واپسی کے نتیجہ میں یہودیوں کو وہ علاقے خالی کرنا پڑیں گے جو فلسطینی باشندوں کی ملکیت ہیں۔ مزید براں اسرائیل اس بات سے بھی خائف ہے کہ مہاجرین کی واپسی کی صورت میں فلسطینیوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا۔ جس سے اسرائیل کیلئے مشکلات پیدا ہو جائیں گے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسرائیل ایک طرف تو دنیا بھر میں آباد یہودیوں کو اسرائیل میں آباد ہونے کی دعوت دیتا ہے اور اب تک لاکھوں یہودی روس امریکہ اور یورپی ممالک سے آ کر اسرائیل آباد ہو چکے ہیں۔ لیکن فلسطین خانماں برباد مہاجروں کو واپس آنے کی اجازت دینے کیلئے تیار نہیں، اس سے بڑی منافقت اور مداہنت کیا ہو سکتی ہے؟

نیویارک میں ۱۱ر ستمبر کے واقعہ کے بعد دنیا بھر میں بڑی بڑی تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ کون جانتا تھا کہ امریکہ جنوبی ایشیاء میں اپنی افواج لا بٹھائے گا اور افغانستان کو طالبان اور القاعدہ کے بہانے تباہ و برباد کر دے گا۔ ۱۱ر ستمبر کے بعد ٹونی بلیئر نے مشرق وسطیٰ کا دورہ کرتے ہوئے بیان دیا تھا کہ ''زمین کے بدلے امن'' کے منصوبہ کو پایہ تکمیل پہنچانا اور فلسطینی ریاست کا قیام لازمی ہے جس سے امید کی شمع روشن ہوئی تھی۔ لیکن افغانستان میں طالبان کے سرنڈر ہوتے ہی امریکیوں اور برطانویوں نے وعدوں کو ایک بار پھر طاق نسیاں پر رکھ دیا اور اس دوران میں اسرائیل پوری شدت کے ساتھ فلسطینی علاقوں پر حملے کر کے ظلم و ستم کا بازار گرم کرتا رہا لیکن انسانیت کے علمبرداروں، انسانی حقوق کے ٹھیکیداروں اور تہذیب کے دعوے داروں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ مسلمان کٹتے اور مرتے رہے، بچے آہ و بکا کرتے رہے، عورتیں واویلا کرتی

رہیں اور بے چارہ یاسر عرفات گڑگڑاتا رہا۔لیکن نیویارک یا واشنگٹن سے کوئی امداد کو نہ آیا۔ بلکہ الٹا یاسر عرفات پر دہشت گردی اور تشدد کو ہوا دینے کے الزام لگتے رہے۔تمام دنیائے اسلام پر مصیبت اور مشکلات کا زمانہ آچکا ہے۔کسی مسلمان حکومت میں دم خم نہیں کہ وہ آگے بڑھ کر احتجاج ہی کر سکے کیونکہ جو احتجاج کرتا ہے اس پر دہشت گردی یا اس کی حمایت کا الزام لگایا جاتا ہے اور اسے دشمنوں کی فہرست میں ''برائی کے محور'' کہہ کر شامل کر لیا جاتا ہے۔

ابتلاء ومصائب کے اس دور میں شہزادہ عبداللہ نے امید افزا تجویز پیش کر کے اپنے تدبر اور امن پسندی کا لوہا منوالیا ہے،جس پر اہل مغرب کو مثبت ردعمل کا اظہار کرنا پڑا ہے۔۱۹۶۷ء کی سرحدوں پر واپسی کے باوجود اسرائیل خسارے میں نہیں رہے گا کیونکہ اس نے ۱۹۴۸ء میں اپنے قیام کے فوراً بعد ہی عربوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا جو اقوام متحدہ کی تقسیم فلسطین کے مطابق عربوں کے حصے میں آئے تھے۔۱۹۶۷ء سے پہلے کی سرحدوں پر واپسی کو اسرائیل من وعن تسلیم بھی کر لے تو ۱۹۴۸ء کے دوران قبضہ شدہ،علاقے اسرائیل کے پاس ہی رہیں گے۔سراسر دھاندلی،ناانصافی اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے یکسر منافی ہے کیونکہ اقوام متحدہ مختلف اوقات میں منظور شدہ قراردادوں میں منظوری دے چکی ہے کہ اسرائیل تمام مقبوضہ علاقے واپس کرے۔

بہر حال ''یونی لیٹرل''یعنی ایک قطبی دنیا میں جس کا اب امریکہ اکیلا ہی مالک ومختار ہے۔بے بس اور کمزور عرب کیا کر سکتے ہیں۔۱۹۶۷ء سے پہلے کی سرحدوں پر ہی اسرائیل واپس چلا جائے تو غنیمت ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل مشرقی بیت المقدس اور مغربی دیوار گریہ کے علاقے کسی طرح بھی واگزار نہیں کرے گا۔مزید براں جن علاقوں میں اس نے یہودی بستیاں بزور طاقت تعمیر کی ہیں،ان سے بھی دستبردار نہیں ہوگا اور اگر دستبردار ہو بھی جائے تو وہاں سے اپنی افواج کو واپس نہیں بلائے گا کیونکہ یہودی آبادکاروں کے تحفظ کے بہانے وہ وہاں اپنی افواج رکھنا چاہتا ہے۔تادم تحریر امریکی صدر بش نے بھی پرنس عبداللہ کے منصوبہ امن کی حمایت کر دی ہے۔

دیکھئے!حالات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟

گنبدِ نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا
دیکھئے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا